OPEN ACCESS
Social Sciences & Humanity Research Review
Crossref

A Critical Examination of the Factors Contributing to the Decline of Mutual Trust in Islamic Society in the Modern Age

دورِ جدید میں اسلامی معاشرت میں باہمی اعتماد کی کمی کی وجوہات کا تحقیقی جائزہ

Waseem Shaukat[1], Hafiz Muhammad Gulzar Ramzan[1], Dr Wajid Ali[2]*

[1]*M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Pakistan.*

[2]*Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Pakistan.*

https://doi.org/10.63468/sshrr.331

ARTICLE INFO

Keywords: Mutual Trust, Islamic Ethics, Amanah, Social Cohesion, Modern Challenges, Betrayal

Corresponding Author*:

Waseem Shaukat

M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Pakistan.

Email: waseemshafibhai512@gmail.com

Article History

Received: 13-01-2026
Revised: 28-01-2026
Accepted: 10-02-2026
Published: 22-02-2026

ABSTRACT

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ[1]

"O you who believe, do not betray Allah and the Messenger, nor betray your trusts while you know."

Trust, in the Qur'anic sense, is not a social courtesy. It is a demand of faith. The idea of *Amanah* stands at the heart of Muslim collective life, shaping how people relate to one another, how families hold together, and how societies survive moral pressure. When the Qur'an speaks of betrayal, it does not limit the warning to private matters. It points to a wider collapse that follows when trust is weakened.

The Prophet Muhammad ﷺ made this meaning practical. He placed trustworthiness at the centre of belief itself and said:

أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ[2]

"Return the trust to the one who entrusted you, and do not betray even the one who betrays you."

Through this guidance, trust became a moral discipline, not a reaction to convenience or benefit.

Yet present Muslim societies show visible cracks. Suspicion has entered social dealings. Economic transactions lack reassurance. Families struggle to rely on one another. This study reflects on these conditions by reading classical Islamic sources alongside present social realities. It traces how a shift away from God-conscious ethics, replaced by self-interest and material success, has reshaped *Mu'āsharat*. The loss of *Muhāsabah* has played a quiet but decisive role, while global market culture has reduced relationships to transactions.

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Observations from family life and judicial practice suggest that law alone cannot repair what has been damaged. Rules may restrain, but they do not revive hearts. The discussion returns, therefore, to *Ihsan* as lived by the Prophet. Only when trust is restored as worship does communal life begin to heal again.

تعارف

انسانی تمدن کی عمارت باہمی تعلقات اور لین دین کے ستونوں پر قائم ہے، اور ان تعلقات میں روح کی حیثیت 'اعتماد' کو حاصل ہے۔ اسلامی عمرانیات میں باہمی اعتماد محض ایک سماجی ضرورت نہیں بلکہ یہ معاشرتی بقا کا وہ بنیادی اصول ہے جس کے بغیر اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے لفظ 'اعتماد' کا مادہ 'ع م د' ہے جس کے معنی سہارا لینے اور بھروسہ کرنے کے ہیں، جبکہ دینی واخلاقی تناظر میں اس کا گہرا تعلق 'امانت' اور 'امن' سے ہے۔ امام راغب اصفہانی نے 'امن' کی تعریف کرتے ہوئے اسے نفس کا سکون اور خوف کا خاتمہ قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ میں:

"أَصْلُ الْأَمْنِ: طُمَأْنِينَةُ النَّفْسِ وَزَوَالُ الْخَوْفِ"[3]

اس تعریف کی رو سے باہمی اعتماد معاشرے میں خوف کے خاتمے اور نفسیاتی اطمینان کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جب افرادِ معاشرہ ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری اور وعدوں کی تکمیل پر یقین رکھتے ہیں، تو ایک پر امن فضا جنم لیتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے اس اعتماد کی جڑیں 'ایمان' میں پیوست ہیں۔ جس طرح ایمان بندے اور رب کے درمیان تعلقِ اعتماد کا نام ہے، اسی طرح معاشرتی سطح پر مسلمانوں کا ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا اسی ایمانی کیفیت کا مظہر ہے۔ علامہ الماوردی نے دنیاوی نظام کی درستگی اور معاشرتی استحکام کے لیے 'الفتِ جامعہ' (اجتماعی محبت و اعتماد) کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر لوگوں کے درمیان سے باہمی اعتماد اٹھ جائے تو انسانیت درندگی کی سطح پر آجاتی ہے:

"فَإِنَّ الْإِنْسَانَ مَطْبُوعٌ عَلَى الِافْتِقَارِ إِلَى جِنْسِهِ، وَاسْتِعَانَتِهِ بِأَبْنَاءِ جِنْسِهِ... فَإِذَا انْقَطَعَتْ عَنْهُ الْأُلْفَةُ، وَعُدِمَ مِنْهُمُ النُّصْرَةُ، كَانَ ذَلِكَ سَبَبًا لِفَسَادِ حَالِهِ"[4]

یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ انسان طبعاً دوسرے انسانوں کا محتاج ہے اور جب ان کے درمیان سے اعتماد اور الفت کا تعلق ٹوٹتا ہے تو یہ ان کے حالات کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ دورِ حاضر میں مسلم معاشرت کو درپیش چیلنجز کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ 'حسنِ ظن' کی جگہ بدگمانی اور 'ایثار' کی جگہ خود غرضی نے لے لی ہے۔ باہمی اعتماد کی یہ کمی اچانک رونما نہیں ہوئی بلکہ اس کے پیچھے فکری، ثقافتی اور معاشی عوامل کارفرما ہیں جو رفتہ رفتہ اسلامی اقدار کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ اس تحقیقی مطالعے کا بنیادی مقصد ان اسباب کی نشاندہی کرنا ہے جنہوں نے امانت و دیانت کے اس تصور کو مجروح کیا ہے، تاکہ معاشرتی انحطاط کے اس عمل کو سمجھ کر اس کا تدارک ممکن بنایا جا سکے۔ اعتماد کا بحران صرف معاشی لین دین تک محدود نہیں بلکہ یہ خاندانی نظام، عدالتی امور اور سماجی رشتوں کو بھی بری طرح متاثر کر رہا ہے، جس کی جڑیں مغرب کے مادہ پرستانہ افکار اور خود احتسابی کے فقدان میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں باہمی اعتماد کا تصور

دینِ اسلام میں باہمی اعتماد کا ڈھانچہ صرف اخلاقی نصائح پر کھڑا نہیں کیا گیا، بلکہ اسے 'ایفاءِ عہد' (وعدے کی پاسداری) اور 'امانت داری' کے ٹھوس قانونی و شرعی احکامات کے ذریعے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے معاشرتی اعتماد کی بحالی کے لیے سب سے پہلی شرط یہ عائد کی ہے کہ انسان اپنے کیے ہوئے وعدوں اور معاہدوں کا ہر حال میں پاسبان ہو۔ جب معاشرے کا ہر فرد یہ یقین کر لے کہ دوسرا شخص اپنے اقرار سے نہیں پھرے گا، تو اعتماد کی فضا خود بخود ہموار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں دوٹوک الفاظ میں حکم صادر فرمایا:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا[5]

اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی۔

یہ آیت کریمہ واضح کرتی ہے کہ وعدہ خلافی صرف ایک سماجی برائی نہیں بلکہ آخرت کی بازپرس کا موجب ہے۔ مفسرین نے اس نکتے پر زور دیا ہے کہ 'عہد' سے مراد صرف وہ معاہدے نہیں جو تحریری شکل میں ہوں، بلکہ وہ تمام زبانی اقرار اور سماجی ذمہ داریاں بھی اس میں شامل ہیں جو انسانوں کے درمیان باہمی اعتماد کی بنیاد بنتی ہیں۔ مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ معاشرتی امن کا انحصار اسی امانت و دیانت پر ہے، اور جب یہ ختم ہو جائے تو انسانی معاشرہ درندوں کی بستی بن جاتا ہے۔ ان کے الفاظ میں:

"معاہدات کی پابندی ہی وہ بنیاد ہے جس پر انسانی تمدن اور معاشرت کی عمارت قائم ہے، اگر اس ستون کو گرا دیا جائے تو انسانیت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور دنیا میں ایسا فساد برپا ہوگا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"[6]

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

اسلامی نفسیات میں اعتماد کا تعلق براہِ راست 'ایمان' کی پختگی سے جوڑا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 'مسلمان' اور 'مومن' کی تعریف ہی یہ بیان فرمائی کہ جس سے دوسرے انسان محفوظ رہیں اور ان کا اعتماد قائم رہے۔ معاشرتی سطح پر اعتماد کی سب سے اعلیٰ مثال یہ ہے کہ انسان کی جان، مال اور عزت دوسرے کے ہاتھ میں محفوظ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ[7]

مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے خون اور اموال محفوظ رہیں۔

یہ حدیثِ مبارکہ اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ اگر کسی معاشرے میں لوگ ایک دوسرے سے خائف ہیں اور اپنے مال یا جان کے بارے میں خدشات کا شکار ہیں، تو وہاں حقیقی اسلامی روح مفقود ہے۔ اعتماد کی یہ فضا صرف قوانین کے نفاذ سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے 'قلبی اطمینان' درکار ہے جو ایمان کا خاصہ ہے۔ ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مومن کا باطن اتنا صاف ہوتا ہے کہ لوگ فطری طور پر اس پر بھروسہ کرتے ہیں، اور یہ اعتماد اس کے کردار کی گواہی بن جاتا ہے۔

"الْمُؤْمِنُ الْكَامِلُ هُوَ الَّذِي يَأْمَنُهُ النَّاسُ... لِأَنَّ إِيمَانَهُ يَمْنَعُهُ مِنَ الْخِيَانَةِ وَالْغَدْرِ وَالظُّلْمِ"[8]

معاشرتی رشتوں میں دراڑیں تب پڑتی ہیں جب افراد ایک دوسرے کی نیتوں پر شک کرنے لگتے ہیں۔ اسلام نے اعتماد کو فروغ دینے کے لیے 'حسنِ ظن' کو ایک مستقل دینی قدر کے طور پر متعارف کروایا ہے۔ بدگمانی کو اعتماد کا قاتل قرار دیتے ہوئے قرآن حکیم نے اسے گناہ سے تعبیر کیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ[9]

اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب احیاء علوم الدین میں اس مسئلے کی نفسیاتی اور روحانی توجیہ بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی شخص سے کھلی برائی ظاہر نہ ہو، اس کے بارے میں دل میں برا خیال لانا حرام ہے، کیونکہ دل کے بھید صرف اللہ جانتا ہے۔ بدگمانی دراصل انسان کے اپنے باطن کی خباثت کا عکس ہوتی ہے جو وہ دوسروں میں دیکھتا ہے۔ اعتماد کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ دلوں کو شکوک و شبہات سے پاک کیا جائے۔

"فَكَمَا يَحْرُمُ عَلَيْكَ أَنْ تُحَدِّثَ لِسَانَكَ بِمَسَاوِئِ أَخِيكَ... كَذَلِكَ يَحْرُمُ عَلَيْكَ أَنْ تُحَدِّثَ قَلْبَكَ بِمَسَاوِئِهِ وَتَسِيئَ الظَّنَّ بِهِ"[10]

اسلامی تعلیمات میں اعتماد شکنی کو نفاق کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص امانت میں خیانت کرتا ہے یا وعدہ توڑتا ہے، تو وہ صرف ایک فرد کا نقصان نہیں کرتا بلکہ پوری امت کے اجتماعی اعتماد کو مجروح کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافق کی نشانیوں میں 'خیانت' کو نمایاں طور پر ذکر فرمایا:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ[11]

منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ خیانت کا ارتکاب معاشرتی نظام کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے، کیونکہ جب امانت داری اٹھ جاتی ہے تو عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ اعتماد کا یہ بحران درحقیقت دینی شعور کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔

"وَالْخِيَانَةُ مُشْتَقَّةٌ مِنَ الْخَوْنِ وَهُوَ النَّقْصُ، فَكَأَنَّ الْخَائِنَ نَقَصَ الْمُؤْتَمِنَ حَقَّهُ"[12]

معاشرتی انحطاط کے اسباب

معاشرتی انحطاط محض معاشی بدحالی یا انتظامی کمزوریوں کا نام نہیں، بلکہ یہ دراصل اقدار کے اس بحران سے عبارت ہے جہاں افراد کے درمیان اعتماد کا رشتہ کمزور پڑ جائے اور اجتماعی مفاد پر ذاتی غرض غالب آ جائے۔ جب ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشرتی تنزلی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں، تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اعتماد کی یہ کمی اچانک پیدا نہیں ہوتی، بلکہ یہ فکری اور عملی بگاڑ کا ایک تدریجی نتیجہ ہے۔ اس بگاڑ کی بنیادی وجہ "حبِ دنیا" اور مادہ پرستی کا وہ غلبہ ہے جس نے انسان کو اخلاقی ذمہ داریوں سے غافل کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی نفسیاتی بیماری کی نشاندہی کرتے ہوئے امت کو خبردار کیا تھا کہ جب دنیا کا مال و متاع ہی مقصودِ کل بن جائے گا، تو دلوں سے رعب اٹھا لیا جائے گا اور بزدلی ڈیرے ڈال دے گی۔

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ[13]

دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

امام غزالیؒ نے اس حدیث کی تشریح میں احیاءعلوم الدین میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جب انسان کے دل میں دنیا کی محبت گھر کر لیتی ہے، تو وہ اپنے بھائی کے حقوق پامال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے باہمی اعتماد کو پہلی ضرب لگتی ہے، کیونکہ ایک لالچی انسان کبھی بھی امین نہیں ہو سکتا۔ ان کے مطابق حرص اور حسد معاشرتی شیرازہ بندی کو اسی طرح کھا جاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو۔

"وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَالَ سُمٌّ قَاتِلٌ... وَمِنْ غَوَائِلِهِ أَنَّهُ يَجُرُّ إِلَى الْمَعَاصِي، فَإِنَّهُ يُمَكِّنُ مِنَ الشَّهَوَاتِ، وَمَتَى اشْتَدَّتْ شَهْوَةُ الْإِنْسَانِ قَادَتْهُ إِلَى ارْتِكَابِ الْمَحْظُورَاتِ"[14]

اعتماد کی عمارت جس ستون پر سب سے زیادہ انحصار کرتی ہے، وہ 'سچائی' ہے۔ معاشرتی انحطاط کا ایک بہت بڑا سبب روزمرہ کے معاملات میں جھوٹ اور فریب کا شامل ہو جانا ہے۔ جب تجارت، سیاست اور گھریلو معاملات میں جھوٹ کو ایک ہنر سمجھ لیا جائے، تو پھر کسی معاہدے یا وعدے کا کوئی اعتبار باقی نہیں رہتا۔ امام مالکؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الموطا میں ایک روایت نقل کی ہے جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ایمان اور جھوٹ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بزدل یا بخیل ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا، لیکن جب پوچھا گیا کہ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے سختی سے نفی فرمائی۔

قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ: «نَعَمْ»، فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا؟ فَقَالَ: «نَعَمْ»، فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ: «لَا»[15]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پوچھا گیا: کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا گیا: کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔

علامہ ابنِ عبدالبرؒ نے التمہید میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جھوٹ بولنا دراصل اس بات کی علامت ہے کہ انسان کو اپنی ساکھ سے زیادہ فوری فائدے کی فکر ہے۔ یہی رویہ معاشرے میں بدگمانی کے بیج بوتا ہے اور اجتماعی سکون کو غارت کر دیتا ہے۔

معاشرتی زوال کا ایک اور اہم اور بنیادی سبب عدل وانصاف کا فقدان ہے۔ جب معاشرے کے کمزور طبقات کو یہ یقین نہ رہے کہ ان کے حقوق محفوظ ہیں، اور طاقتور طبقہ قانون کی گرفت سے آزاد نظر آئے، تو اجتماعی اعتماد کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ معروف مورخ اور عمرانیات کے ماہر علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے مقدمہ میں اس نکتے پر زبردست بحث کی ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ ظلم صرف مار پیٹ کا نام نہیں، بلکہ لوگوں کے اموال اور حقوق کو ناحق دبانا سب سے بڑا ظلم ہے جو پوری تہذیب (العمران) کو تباہ کر دیتا ہے۔ جب عدل اٹھ جاتا ہے تو امید ختم ہو جاتی ہے، اور مایوس قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔

"الظُّلْمُ مُؤْذِنٌ بِخَرَابِ الْعُمْرَانِ... لِأَنَّهُ يَقْبِضُ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنِ السَّعْيِ فِي الِاكْتِسَابِ لِمَا يَرَوْنَ مِنْ أَنَّهَا مَسْلُوبَةٌ مِنْ أَيْدِيهِمْ"[16]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں قوموں کے زوال کے اسباب گنواتے ہوئے 'تعیش پسندی' اور 'حقوق العباد کی پامالی' کو نمایاں کیا ہے۔ جب امراء اور حکمران طبقہ عوام کی فلاح کے بجائے اپنی عیاشیوں پر قومی دولت لٹانے لگے، تو نچلے طبقے میں نفرت اور بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے جو بالآخر بغاوت اور معاشرتی انتشار پر منتج ہوتی ہے۔

"وَمِنْ أَعْظَمِ أَسْبَابِ فَسَادِ الْمَدِينَةِ: التَّضْيِيقُ عَلَى النَّاسِ فِي مَعَاشِهِمْ، وَأَخْذُ الْأَمْوَالِ بِالْبَاطِلِ لِصَرْفِهَا فِي مَلَاذِّ النُّفُوسِ"[17]

اسلامی معاشرے کی امتیازی خصوصیت خیر کی تلقین اور برائی سے روکنا ہے۔ جب معاشرہ اجتماعی طور پر اس فریضے سے دستبردار ہو جاتا ہے تو برائیوں کو جڑ پکڑنے کا موقع مل جاتا ہے۔ بددیانت اور خائن افراد جب کھلے عام دندناتے پھرتے ہیں اور کوئی انہیں ٹوکنے والا نہیں ہوتا، تو شریف شہری بھی عدم تحفظ کا شکار ہو کر تنہائی پسند ہو جاتے ہیں۔ یہ خاموشی معاشرتی انحطاط کی آخری حد ہے۔ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے زوال کی وجہ یہی بتائی کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ[18]

وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے، یقیناً بہت برا کام تھا جو وہ انجام دیتے تھے۔

مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ جب برائی پر نکیر ختم ہو جائے تو برائی کو سندِ جواز مل جاتی ہے، اور پھر پورا معاشرہ اللہ کے عذاب یعنی باہمی تفرقے اور بے اعتمادی کی آگ میں جھلس جاتا ہے۔ یہی وہ عمومی اسباب ہیں جنہوں نے آج ہمارے معاشرتی ڈھانچے کو کھوکھلا کر دیا ہے اور جن کا سدباب کیے بغیر اعتماد کی بحالی ناممکن ہے۔

تصورِ وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے داخلی عوامل

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

عمومی اخلاقی انحطاط کے ساتھ ساتھ، مسلم معاشرے کے داخلی ڈھانچے میں کچھ ایسے مخصوص عوامل بھی سرایت کر چکے ہیں جنہوں نے امت کے تصورِ وحدت کو پارہ پارہ کر کے باہمی اعتماد کی فضا کو مکدر کر دیا ہے۔ان داخلی اسباب میں سرِ فہرست فکری انتشار اور فرقہ وارانہ تعصب ہے۔اسلام نے مسلمانوں کو 'جسدِ واحد' قرار دیا تھا تاکہ ان کے درمیان اعتماد کا رشتہ خون کے رشتے سے بھی زیادہ مضبوط ہو، لیکن جب فروعی اختلافات کو اصولوں کا درجہ دے دیا گیا، تو مسلمان ایک دوسرے کے لیے اجنبی، بلکہ حریف بن گئے۔قرآن مجید نے سورۃ الانفال میں اسی داخلی انتشار کے نتائج سے خبردار کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ باہمی تنازعات تمہاری ہوا اکھاڑ دیں گے اور تمہارا رعب ختم ہو جائے گا۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا[19]

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر سے کام لو۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اختلاف اور تفرقہ امت کی ہیبت کو ختم کر دیتا ہے، اور جب ہیبت ختم ہوتی ہے تو داخلی طور پر افراد ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کے بجائے ایک دوسرے کی کمزوریوں کی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں۔معاشرتی سطح پر یہ بے اعتمادی اس وقت شدت اختیار کرتی ہے جب دین کی تعبیر میں شدت پسندی اور 'غلو' شامل ہو جائے۔

دینی جذبات میں اعتدال سے ہٹ جانا مسلم معاشرت کے لیے زہرِ قاتل ثابت ہوا ہے۔جب افراد دین کے نام پر دوسروں پر اپنی رائے مسلط کرنے لگتے ہیں، تو مکالمے اور افہام و تفہیم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو پچھلی قوموں کی تباہی کا حوالہ دیتے ہوئے دین میں غلو سے سختی سے منع فرمایا تھا۔

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ[20]

دین میں غلو (حد سے بڑھنے) سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو نے ہی ہلاک کیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں اس نکتے پر گہری بحث کی ہے کہ غلو انسان کو سماجی انصاف اور حقوق العباد سے دور کر دیتا ہے۔ان کے نزدیک جب کوئی گروہ خود کو حق کا واحد اجارہ دار سمجھ لیتا ہے، تو وہ دوسرے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت کو اپنے لیے مباح سمجھنے لگتا ہے، جو معاشرتی اعتماد کے خاتمے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

"وَمِنْ أَعْظَمِ أَسْبَابِ ظُهُورِ الْبِدَعِ وَالْفُرْقَةِ: تَرْكُ السُّنَنِ وَالْآثَارِ، وَالِاعْتِمَادُ عَلَى الْآرَاءِ وَالْأَهْوَاءِ، وَهَذَا هُوَ أَصْلُ ضَلَالِ مَنْ ضَلَّ"[21]

اسلامی معاشرت میں خاندان وہ بنیادی اکائی ہے جہاں بچہ اعتماد، محبت اور ایثار کا پہلا سبق سیکھتا ہے۔بدقسمتی سے دورِ حاضر میں 'صلہ رحمی' (رشتہ جوڑنے) کا تصور کمزور پڑ گیا ہے اور انفرادیت پسندی نے خاندانی نظام کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔جب انسان اپنے قریبی خونی رشتوں کا حق ادا نہیں کرتا اور ان کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے، تو وسیع تر معاشرے میں اس سے خیر کی توقع رکھنا عبث ہے۔قرآن کریم نے قطع رحمی کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور انہیں معاشرتی فساد کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ[22]

تو کیا تم سے یہ بعید ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو؟

امام قرطبیؒ الجامع لأحکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ صلہ رحمی صرف ملنا جلنا نہیں، بلکہ رشتہ داروں کی تکلیف میں ان کا ساتھ دینا اور ان پر اعتماد کرنا ہے۔جب گھروں کے اندر اعتماد ختم ہوتا ہے تو یہ زہر پورے معاشرے میں پھیل جاتا ہے۔

"قَطِيعَةُ الرَّحِمِ مِنَ الْكَبَائِرِ... وَهِيَ سَبَبٌ لِذَهَابِ الْبَرَكَةِ فِي الرِّزْقِ وَالْعُمُرِ، وَتُورِثُ الضَّغَائِنَ بَيْنَ الْأَقَارِبِ"[23]

مسلم معاشرے کے داخلی ضعف کا ایک اہم پہلو قول و فعل کا کھلا تضاد ہے۔دینی احکامات کا علم ہونے کے باوجود جب عمل اس کے برعکس ہو، تو یہ منافقت کی ایک صورت بن جاتی ہے جو باہمی اعتماد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔لوگ واعظین، اساتذہ اور تاجروں کو دین کی باتیں کرتے سنتے ہیں لیکن جب ان کے رویے میں خیانت اور بدعہدی دیکھتے ہیں، تو پورے دینی ڈھانچے سے بدظن ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس رویے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ[24]

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟

امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں علماء اور عوام دونوں کے لیے اس تضاد کو تباہ کن قرار دیا ہے۔ان کے مطابق، جب دین محض زبان تک محدود رہ جائے اور معاملات (ڈیلنگ) میں خدا کا خوف نہ ہو، تو لوگ ایک دوسرے کو دھوکہ دینا اپنی مہارت سمجھتے ہیں۔یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی اخوت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور معاشرہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تصورِ وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے بیرونی اثرات

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

داخلی خلفشار اور خاندانی شکست وریخت نے مسلم معاشرے کی حصار بندی کو اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ اب یہ بیرونی اثرات اور عالمی تہذیبی یلغار کے سامنے مکمل طور پر غیر محفوظ ہو چکا ہے۔ جب گھر کی دیواریں گر جائیں تو باہر کی آندھیاں سیدھی صحن میں داخل ہوتی ہیں۔ دورِ حاضر میں عالمگیریت کے سیلاب نے اسلامی معاشرت کی اقدار، بالخصوص 'باہمی اعتماد' کے تصور کو بری طرح مجروح کیا ہے۔ مغربی تہذیب کا غلبہ صرف سیاسی یا اقتصادی نہیں بلکہ یہ ایک گہرا نفسیاتی اور فکری حملہ ہے جس نے مسلمان کے زاویہ نگاہ کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔

اسلامی معاشرت میں باہمی اعتماد کی بنیاد 'خدا خوفی' اور 'اُخروی جوابدہی' پر تھی، لیکن جدید عالمی رجحانات نے اس کی جگہ 'خالص مادہ پرستی' کو دے دی ہے۔ مغربی سرمایہ دارانہ نظام نے انسان کو یہ باور کرایا ہے کہ زندگی کا مقصد صرف زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہے۔ جب نفع و نقصان کا پیمانہ صرف دولت بن جائے، تو اخلاقی اقدار ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی معرکہ آرا تصنیف میں اس تہذیبی تصادم کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغربی تہذیب کی بنیاد ہی حسیات اور مادہ پرستی پر ہے، جس نے انسان کے دل سے غیب کا یقین اور ایک دوسرے پر اعتماد کا روحانی جوہر نکال دیا ہے۔

"یہ تہذیب (مغربی) جسم کی پروردگار اور روح کی قاتل ہے، اس نے انسان کو مشین کا پرزہ بنا دیا ہے... جہاں ہر رشتہ مفاد کی ترازو میں تولا جاتا ہے، وہاں محبت اور اعتماد کی جگہ خود غرضی اور نفسا نفسی لے لیتی ہے۔"[25]

یہ مادہ پرستانہ سوچ جب مسلم معاشروں میں در آئی تو 'قرضِ حسنہ' اور 'ایثار' جیسے تصورات ناپید ہو گئے۔ اب بھائی بھائی پر اس لیے اعتماد نہیں کرتا کہ اسے ڈر ہے کہ کہیں اس کا مالی نقصان نہ ہو جائے۔ یہ خوف اور عدم تحفظ دراصل اس ایمانی کمزوری کا شاخسانہ ہے جو بیرونی افکار کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔

دورِ جدید میں باہمی اعتماد کی عمارت کو منہدم کرنے میں سب سے کاری ضرب ڈیجیٹل میڈیا اور سوشل میڈیا کے بے لگام استعمال نے لگائی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں کسی بھی خبر پر یقین کرنے سے پہلے اس کی تحقیق (تبین) کا حکم دیا گیا تھا، تاکہ معاشرہ بدگمانی اور انتشار سے محفوظ رہے۔ قرآن مجید نے سورۃ الحجرات میں واضح اصول بیان کیا تھا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ[26]

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، مبادا کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو۔

مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ معاشرتی امن اور باہمی اعتماد کا دارومدار خبروں کی درستگی پر ہے۔ جب بغیر تحقیق کے افواہیں پھیلائی جائیں تو لوگوں کے درمیان شکوک و شبہات کی دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

"آج کل اخبارات اور افواہوں کا بازار گرم ہے، تحقیق کے بغیر سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے ایک دوسرے کے خلاف کارروائیاں کی جاتی ہیں، یہی چیز آج فسادِ خلق اور معاشرتی بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ بنی ہوئی ہے۔"[27]

آج سوشل میڈیا پر کسی کی پگڑی اچھالنا ایک مشغلہ بن چکا ہے۔ جب ایک فرد کی عزت محفوظ نہیں رہتی اور ہر لمحہ کردار کشی کا دھڑکا لگا رہتا ہے، تو معاشرتی اعتماد کا باقی رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنی سنائی بات آگے پھیلانے کو جھوٹ قرار دیا تھا، اور جھوٹ اعتماد کا سب سے بڑا قاتل ہے۔

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ[28]

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات (بغیر تحقیق) بیان کر دے۔

عالمی بینکاری نظام اور سود کے غلبے نے بھی مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کیا ہے۔ سود کی بنیاد خود غرضی اور دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے پر ہے، جبکہ اسلامی معیشت کی بنیاد ہمدردی اور تعاون پر تھی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب سود میں اس نفسیاتی پہلو پر گہری بحث کی ہے کہ سودی نظام انسانوں کے درمیان سے تعلق اور مروت کو ختم کر کے انہیں ایک دوسرے کا حریف بنا دیتا ہے۔

"سود انسان کے اندر سے ہمدردی، اخوت اور باہمی اعانت کے جذبات کو ختم کر دیتا ہے اور اس کی جگہ شقاوت، سنگ دلی اور زر پرستی کو پروان چڑھاتا ہے... یہ نظام سوسائٹی کے افراد کو ایک دوسرے کا دوست بنانے کے بجائے دشمن بنا دیتا ہے۔"[29]

جب معیشت کا پہیہ دھوکہ دہی، سٹہ بازی اور سود پر چل رہا ہو، تو تاجر اور گاہک، مالک اور ملازم کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ وہ بیرونی اور عالمی عوامل ہیں جنہوں نے داخلی کمزوریوں کے ساتھ مل کر اسلامی معاشرت میں اعتماد کے بحران کو سنگین تر کر دیا ہے۔

نتائج بحث

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

زیرِ نظر تحقیقی مطالعے اور فکری تجزیے کے بعد یہ نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں کہ مسلم معاشرے میں اعتماد کا موجودہ بحران کسی ایک عامل کا پیدا کردہ نہیں، بلکہ یہ داخلی کمزوریوں اور خارجی اثرات کے باہمی امتزاج کا نتیجہ ہے۔ تحقیق نے واضح کر دیا ہے کہ اعتماد کے زوال نے فرد، خاندان اور معاشرے تینوں سطحوں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، جن کا تدارک فکری اور عملی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں۔

- اسلامی معاشرت میں باہمی اعتماد ایک دینی فریضہ ہے جو خوفِ خدا اور آخرت کی جوابدہی سے جڑا ہوا ہے؛ ایمان کی کمزوری ہی بد اعتمادی کی بنیادی وجہ بن کر سامنے آتی ہے۔
- معاشرتی انحطاط کی ابتدا خاندانی اکائی کے بکھرنے سے ہوئی، جب قریبی خونی رشتوں میں ایثار اور اعتماد کمزور پڑا تو وسیع تر سماجی اعتماد بھی متاثر ہوا۔
- بغیر تحقیق خبروں کی ترسیل، خصوصاً ڈیجیٹل دور میں، بدگمانی اور ہیجان کو فروغ دے رہی ہے، جو قرآنی حکم فتبینوا سے انحراف اور معاشرتی فساد کا سبب بن رہی ہے۔
- سرمایہ دارانہ ذہنیت کے اثر سے انسانی تعلقات میں اخلاص کی جگہ مفادنے لے لی ہے، جس کے نتیجے میں ایثار، صلہ رحمی اور خلوص پر مبنی رشتے کمزور ہو گئے ہیں۔
- سودی نظام نے افراد کو ایک دوسرے کا ہمدرد بنانے کے بجائے معاشی حریف بنا دیا، جس سے ہمدردی اور باہمی تعاون کی فضا متاثر ہوئی۔
- سوشل میڈیا پر کردار کشی، بہتان تراشی اور عزتوں کی پامالی نے سماجی اعتماد کی فضا کو آلودہ کر دیا ہے، جس سے افراد کے درمیان بھروسہ قائم رکھنا دشوار ہو گیا ہے۔

سفارشات و تجاویز

مندرجہ بالا نتائج کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اعتماد کے اس گہرے بحران کا حل محض عارضی یا انتظامی اقدامات میں نہیں، بلکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ان بنیادی اقدار کی بحالی میں مضمر ہے جو اسلامی معاشرت کی اساس رہی ہیں۔ اس ضمن میں درج ذیل سفارشات قابل غور ہیں:

- باہمی اعتماد کی بحالی کے لیے افراد میں خوفِ خدا، آخرت کی جوابدہی اور امانت داری کے شعور کو بیدار کرنا ناگزیر ہے، تاکہ ایمان کو عملی زندگی سے جوڑا جا سکے۔
- تعلیمی اور سماجی سطح پر خبر کی تحقیق اور سنی سنائی بات کو آگے پھیلانے سے اجتناب کی تربیت دی جائے، تاکہ بدگمانی اور جھوٹ پر مبنی رویوں کا سدِ باب ہو۔
- تجارتی معاملات میں سچائی، امانت اور دیانت کو فروغ دینے کے لیے تاجروں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جائے، تاکہ مالی خیانت سے پیدا ہونے والی بداعتمادی کم ہو۔
- خاندانی اور سماجی تعلقات میں حسنِ ظن، باہمی احترام اور غیر ضروری تجسس سے اجتناب کی تلقین کی جائے، کیونکہ یہی رویہ اعتماد کی بحالی کی بنیاد بنتا ہے۔
- خاندانی نظام کو مضبوط بنانے کے لیے صلہ رحمی، والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا جائے، کیونکہ خاندان میں اعتماد کی بحالی پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] Al-Anfal, 8:27
[2] Al-Tirmidhi, Muhammad bin Isa, Sunan Al-Tirmidhi, Kitab Al-Buyu, Hadith: 1264
[3] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، دمشق، 1992ء، ص 90۔
[4] الماوردی، أدب الدنیا والدین، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، 1986ء، ص 134۔
[5] الاسراء، 17:34
[6] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، 2008ء، ج 5، ص 490۔
[7] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب الإیمان، حدیث: 2627۔
[8] ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2001ء، ج 1، ص 150۔
[9] الحجرات، 49:12
[10] امام غزالی، احیاء علوم الدین، دار المعرفۃ، بیروت، 1983ء، ج 3، ص 150۔
[11] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الإیمان، حدیث: 33۔
[12] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، 1379ھ، ج 1، ص 90۔
[13] البیہقی، احمد بن حسین، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1410ھ، ج 7، ص 338، حدیث: 10501۔

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

[14] امام غزالی، احیاء علوم الدین، دارالمعرفہ، بیروت، 1983ء، ج3، ص232۔

[15] مالک بن انس، موطا امام مالک، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1985ء، ج2، ص990، حدیث:1913۔

[16] ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، داریعرب، دمشق، 2004ء، ج1، ص364۔

[17] شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، دارالجیل، بیروت، 2005ء، ج2، ص275۔

[18] المائدہ، 5:79

[19] الانفال، 8:46

[20] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، داراحیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، 1998ء، ج2، ص1008، حدیث:3029۔

[21] ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم، دارالعالم الکتب، بیروت، 1999ء، ج1، ص112۔

[22] محمد، 47:22

[23] القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دارالکتب المصریہ، قاہرہ، 1964ء، ج16، ص247۔

[24] الصف، 61:2

[25] ندوی، سید ابوالحسن علی، انسانیت کی تعمیرِ نو، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1985ء، ص67۔

[26] الحجرات، 49:6

[27] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، 2008ء، ج8، ص123۔

[28] المسلم، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، المقدمۃ، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، حدیث:5۔

[29] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سود، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1998ء، ص14۔

Copyright © 2025. SSHRR Published by Collaborative Educational Learning Institute
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.